ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

اردو ناول میں مزاحمتی تذبذب

RESISTANCE HESITATION IN URDU NOVEL

Dr. Parveen Kallu ,
Associate Professor Urdu Department , Government College University Faisalabad
Farhana Soomro*,
Research Scholar PhD Urdu Department, University of Sindh, Jamshoro
(farah.ali.soomro@gmail.com)

Abstract

Resistance-indecision is a very interesting and complex literary phenomenon in the Urdu novel. It refers to the internal conflict that arises at the character or narrative level between resistance and ambiguity/uncertainty.
Resistance generally refers to a reaction against social, political, or cultural oppression. In the Urdu novel, this theme emerges particularly in the context of the colonial era, the Partition of India, dictatorship, and class inequalities
Indecision refers to a state of indecision, or swinging between two conflicting paths. It reveals the psychological depth of the character.
The resistance attitude in Urdu novels began with Abdul Halim Sharar. The reason is that he presented examples from the past that were full of shameful acts of Christian missionaries. By looking into the past of these nations, he showed the West a mirror. Such situations are also seen in the novels of Deputy Nazir Ahmed. Where questions are raised about his novel "Ibn-Ul-Waqt". Even Sir Syed's son Syed Mahmood said about this novel that it has distorted the image of my father. The reason is that due to the narrative conflict and hesitation of this novel, Nazir Ahmed had to formally deny that Nazir Ahmed had tried to resist in a subdued tone by criticizing the wrong policies of the British in this novel

.

Key Words: Resistance-indecision, Urdu Novel, Christian missionaries, Deputy Nazir Ahme,"Ibn-Ul-Waqt", Syed Mahmood.

ادب کو زندگی کا متبادل تو نہیں مگر اس کا عکاس کہا جا سکتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس میں زندگی کے متبادل قصے بنائے جاتے ہیں۔ چوں کہ یہ متخیلہ پر اپنی بنیادیں بناتا ہے اس لیے اس کی ترجیحات موجود سے ناموجود کی جانب ہوتی ہیں۔ ساتھ یہ اطمینان سے بے چینی کو جنم دیتا ہے۔ اس کی وجہ سے بے چینی کی بجائے بغاوت کے جذبات جنم لیتے ہیں۔ یہ سچائی گرفت میں لینے کی بجائے اسے پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ادب ہمہ گیریت کا حامل ہوتا ہے۔ اہلِ فلسفہ اور مقتدرہ کی کوشش ہوتی ہے کہ اس پر متخیلہ کا پہرا بٹھا کر اسے محدود دائرے میں لایا جائے مگر تخلیق کاروں کی طبیعت اور سیمابی فطرت کی وجہ سے یہ منہ زور گھوڑے کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں انقلابی روح پیدا کرنے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہوتی ہے۔ یہی حال اردو ناول کا ہے کہ اس کو مقتدرہ اپنے ڈھب پر نہیں لا سکی کیوں کہ اس میں زندگی کے متنوع پہلوؤں کی نمائندگی موجود ہوتی ہے۔ اس میں ایسی رنگارنگی ہے کہ کسی نہ کسی جانب سے یہ اپنی من مانی کر دیتا ہے اور سیمابیت کی طرف رجحان رکھتا ہے۔ اس لیے اس پر استعماریت کے اثرات نہ چڑھ سکے جو اسے اپنی منشا کے مطابق ڈھال دیں۔

اردو ناول میں مزاحمتی رویوں کی شروعات عبدالحلیم شرر سے ہوئی۔ وجہ یہ ہے کہ انھوں نے ماضی سے ایسی مثالیں پیش کیں جو عیسائی مشنریوں کی شرم ناک حرکتوں سے بھری ہوئی تھیں۔ ان اقوام کے ماضی میں جھانک کر انھوں نے مغرب کو آئینہ دکھایا۔ دیگر یہ کہ مسلمانوں کو ان کی پر شکوہ ماضی سے مثالیں دے کر ان میں ایک نئی روح پھونکنے کا کام شرر کے علاوہ کون کر سکتا تھا اگرچہ شرر کی ناول نگاری کے حوالے سے محققین ان پر سر والٹر سکاٹ کے ناول طلسمان Talisman سے متاثر ہونے کا الزام لگاتے ہیں۔ لیکن اس حوالے سے شرر کے خیالات مختلف ہیں۔ ایک حوالہ دیکھیں:

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

"۱۸۵۶ء میں لکھنو کا استعماری حکومت میں انضمام ایک ایسا واقعہ ہے جس کے لکھنو کے باسیوں پر گہرے نفسیاتی اثرات ہیں۔ آصف الدولہ کے بعد اودھ کی سلطنت میں واجد علی شاہ کو اپنی عوام دوستی کے سبب لوگوں کے دلوں میں محبت اور تکریم تھی۔ اس لیے جب انھیں معزول کر کے مٹیا برج بھیج دیا گیا تو لکھنو کی گلیوں میں کہرام مچ گیا۔"(۱)

چوں کہ شرر بھی لکھنوی معاشرے کا حصہ تھے اور وہ واجد علی شاہ کی معزولی اور مٹیا برج قلعہ میں قید کی وجہ سے ریاست اودھ میں استعماریت کے خلاف ابلنے والے لاوے سے بہ خوبی واقف تھے۔ دوسرے یہ کہ انھیں عیسائی مشنریوں کے حوالے سے خوب پتا تھا اور ان کا جواب دینا انھیں آتا بھی تھا۔ اسی وجہ سے انھوں نے عیسائیوں کی مکاریوں اور ریشہ دوانیوں کے آگے بند باندھنے کے لیے اپنی تخلیقات پیش کیں۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب کی "سیاہ کاریوں" کے ہولناک نتائج سے وہ بخوبی واقف تھے۔ ان کے ناول "فلورا اور فلورنڈا" میں عیسائی چرچوں کے ایسے سیاہ نقشے سامنے لاتا ہے کہ وہ چرچوں کی بجائے قحبہ خانے نظر آتے ہیں۔ شرر ان چرچوں میں رہنے والے پادریوں اور ننوں کے کھل کر کھیلنے کی ایسی تصاویر سامنے لاتے ہیں کہ روح کانپ جاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ لوگ وہاں رہنے والی خوب رو اور نوجوان لڑکیوں کو اپنے مذہبی جال میں پھنسا کر ان کے ساتھ غیر شرعی ازدواجی تعلقات قائم کر کے انھیں تاریک گڑھے میں پھینک دیتے ہیں اور پھر انھیں ڈرا دھمکا کر ان سے جینے کا حق چھین لیتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس قدر راز داری سے ہوتا ہے کہ کوئی ان پر ذرا بھی شک نہیں کر سکتا۔ یہ پادری ان لڑکیوں سے اعتراف کی رسم میں برہنہ اور فحش حرکات کرواتے ہیں۔ یہ پادری اپنے گناہوں کو چھپانے کے لیے ایسے دلائل سامنے لاتے ہیں کہ بندہ حیران رہ جاتا ہے۔ مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں:

"تم کو معلوم نہیں کہ پادریوں اور راہبوں کے گناہ خدا نے معاف کر دیئے ہیں۔ ان کو دنیا کے مکروہات چھوڑتے ہی نجات ابدی حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ گناہ کریں معاف ہے۔ ان باتوں کو گناہ کہنا بھی بے ادبی اور گستاخی ہے۔"(۲)

اس ناول میں مسلمانوں کی خوبیوں حیا، شرم، نسائیت، رحم دلی اور شائستگی وغیرہ جب کہ عیسائیوں میں ان کے مقابلے میں خامیاں جیسے بے حیائی، بے شرمی، پھوہڑ پن اور ظلم بیان کی گئی ہیں۔ یہ خوبیاں عیسائیوں میں ہیں ہی نہیں۔ کیوں کہ یہ پادری کلیسا کے تہہ خانوں میں ان معصوم کلیوں کے ساتھ شیطانیت کا کھیل کھیلتے ہیں پھر ان کے ناجائز بچوں کو بیہمانہ طور پر قتل کر کے اپنی کلیساؤں کے کونے کھدروں میں دفن کرتے ہیں۔ اس طرح کی ہولناک مثالوں سے مغرب کے کلیسا بھرے پڑے ہیں۔ اس ناول کا خاص مقصد بھی یہی تھا کہ اس میں عیسائی پادریوں کے کرتوت بیان کر کے ہندوستانیوں کو ان سے متنفر کرایا جائے۔ وہ اس ناول میں ان پادریوں کے حوالے سے ہر قسم کی برائیاں سامنے لاتے ہیں۔ ان کا ایک اور ناول "ایام عرب" میں عیسائی مبلغوں اور بت پرستوں کے درمیان ایک مکالماتی کہانی تخلیق کر کے عیسائیوں کو باطل کرنے کی کوشش کی ہے۔ وجہ یہ ہے وہ بت پرست ہندوستانی ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کے ہاں عورتوں کی قدر و منزلت عیسائیوں کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے۔

جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمان شکست کے بعد مضمحل اور کمزور پڑ گئے تھے اس لیے شرر نے "ملک العزیز ورجنا" کی صورت میں ایک ایسا ناول تخلیق کیا جس نے مسلمانوں کو نفسیاتی طور پر کمزور ہونے سے بچایا۔ وجہ یہ تھی کہ اس جنگ کی ناکامی کا سارا ملبہ ہندستانیوں خصوصاً مسلمانوں پر ڈالا گیا تھا۔ انھوں نے اس ناول میں مخصوص علامات جیسے صلیب، جھنڈا، ہلال اور وردیاں بیان کر کے اپنے بیان کو منفرد بنایا ہے۔ کیوں کہ جنگ کے دوران صلیب کرنے سے عیسائی قوم بدحواس ہو کر شکست سے دوچار ہوتی ہے۔ اس طرح مسلمانوں نے تعبیر کی آواز لگا کر فتح پر خوشی کا اظہار کیا۔ ساتھ عکہ پر عیسائی نے صلیبی نشان والا جھنڈا لگایا مگر ایک پرجوش مسلمان نے اسی وقت تیر کے وار کر کے اسے قتل کر دیا۔ موجودہ ناول میں انھوں نے ہر موقع پر مسلمانوں کو نہیں بلکہ بعض جگہوں پر عیسائیوں کو بھی فتح یاب دکھایا ہے۔ ساتھ ساتھ عیسائیوں کی بزدلی کو بھی بڑے فخر کے ساتھ بیان کیا ہے۔

شرر کے ناولوں میں مسلمانوں کی حال کی بے عملی کو ماضی کے شان دار ماضی کی عظمت سے منور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگرچہ ان کے ناولوں کے حوالے سے متضاد رائے قائم کی گئی ہیں۔ ایک ناقد ان کو سراہتا ہے تو دوسرا ان کے ہاں کسی تاریخی دور کے نہ ہونے پر نکتہ چینی بھی کرتا ہے سوائے "فردوسِ بریں" کے ۔ البتہ ایک بات سب میں مشترک ہے کہ انھوں نے اپنے سارے ناولوں میں عیسائیت کو ذلیل اور رسوا دکھانے کی کوشش کی ہے اور اس سلسلے میں وہ کامیاب بھی رہے ہیں۔ ان کے ناولوں میں جو اہم خامی ہے وہ یہ ہے کہ انھوں نے ہندوستان پر مسلمانوں کی گرفت ڈھیلی ہونے کی بات تو نہیں کی اور نہ ہی اس کے اسباب بتائے۔ وہ تو صرف مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان جنگوں میں مسلمانوں کا غلبہ دکھاتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے ناول دورِ قدیم کی تصاویر کے علاوہ موجودہ تناظر کی تصویر کشی دکھانے

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

سے قاصر ہیں۔ ان کے ناول مذہبی بنیادوں پر استعمار کے خلاف مزاحمت ہی دکھاتے ہیں۔ اگر وہ موجودہ صورتِ حال کے حوالے سے بھی کوئی تجزیہ کرتے تو اچھا ہوتا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ استعماری دور کے ناول نگار انگریزی سرکار کے خلاف بھرپور مزاحمت کی بجائے بین السطور میں ان کی استعماری خوبیاں بیان کر رہے ہوتے ہیں۔ یہی نقطہ شرر کے دیگر ہم عصر ناول نگاروں کے ہاں بھی نظر آتا ہے۔ یہ ناول نگار عموماً انگریزوں کی خوبیاں ہی بیان کر رہے ہوتے ہیں۔ شرر کے ایک اور ہم عصر ناول نگار منشی احمد حسین خان کے ناول "جواں مردی" میں بھی ایسا ہی تذبذب کا انداز ملتا ہے۔ وہ تو باقاعدہ طور پر انگریزوں کی خوشامد کرتے نظر آتے ہیں اور تو اور جنگِ آزادی کا الزام ہندوؤں کے رہنما ناناصاحب کے سر تھوپتا ہے۔ اس طرح وہ ارادے کے باوجود اپنے ٹارگٹ کی طرف پہنچنے سے قاصر ہی رہتا ہے۔ وہ ناناصاحب کی چالاکی ،بے ایمانی، رشوت ستانی، عیاری، جھوٹ اور مرکز و فریب ہر طرح کے بیانیے کو سامنے لاتے ہیں۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"یہ تو سوداگر بن کر آئے تھے، اچھی سوداگری کی ہندوستان ہی دبا بیٹھے۔ "ناناصاحب فرنگیوں سے انتہادرجے نفرت کرتا ہے اور "ان متعصب کتوں کی بوٹیاں بھون بھون کر "کھانے کا اظہار بھی کرتا۔ اس کی باغیانہ کوششوں کا مرکز ہندوستان میں انگریزوں کے قدم اکھاڑنا ہے" ناناصاحب مجھے ذاتی طمع نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ چاہے میری جان جائے مگر ان فرنگیوں کے پاؤں اکھڑ جائیں۔"(۳)

اس طرح آگے چل کر لکھتے ہیں:

"بے علم اور جاہل سپاہیوں" میں سور اور گائے کی چربی کے کارتوس کی خبر نے آگ لگا دی۔ اس پر انگریزی جنرلوں نے مصلحت کی بجائے رعونت آمیز رویے کا مظاہرہ کرتے ہوئے "نہایت ہی غلیظ چال" چلی اور معاملے کو سختی سے دبانا چاہا۔ جنگ کے دنوں میں بھی سپاہیوں کی زبانی "باغیوں" کا نقطہ نظر پیش کیا گیا ہے۔ کالی چرنی: تم لوگ غاصب (ہو) ہر موقع پر ہم دیسی بھائیوں کا خون پانی کی طرح بہاہے اور اس کا فائدہ تم نے اٹھایا ہے[۔۔۔۔] نفاق کا بیج بو دیتے ہو اور اپنا کام نکال لیتے ہو۔ اس طرح ناول میں "میمون" اور ان کے "معصوم بچوں" کو باغی جس بے رحمی سے قتل کرتے ہیں۔ اس پر ان کی انسانیت انھیں ناول نگار کے تحمل سے گرا دیتی ہے اور وہ جذباتی ہو کر باغیوں کے خوب لتے لینے کے لیے اپنے جواں مرد عسکری کی مدد سے ان کو ان کے انجام تک پہنچاتے ہیں۔"(۴)

اس طرح کے حالات ڈپٹی نذیر احمد کے ناولوں میں بھی نظر آتے ہیں۔ جہاں ان کے ناول "ایک ابن الوقت" پر سوال اٹھتے ہیں۔ یہاں تک کہ سر سید کے بیٹے سید محمود نے اس ناول کے بارے میں کہا کہ یہ میرے والد صاحب کا خاکہ اڑایا گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس ناول کی بیانیاتی کش مکش اور تذبذب کی وجہ سے نذید احمد کو باقاعدہ طور پر اس بات کی تردید کرنی پڑی کہ اس ناول میں انگریزوں کی غلط پالیسیوں پر تنقید کر کے نذیر احمد نے دبے دبے لہجے میں مزاحمت کی کوشش کی ہے۔ ساتھ ساتھ انھوں نے ہندوستانیوں کے ساتھ انگریزوں کر رویے پر انھیں ملامت بھی کیا ہے اور بتایا ہے کہ انگریزوں سے ہندوستانیوں کی نفرت کی وجہ ان کا ہندوستانیوں کے ساتھ تحقیر آمیز لہجہ اور رویہ ہیں۔ ان کا روکھا مزاج اور ہندستانیوں کو حقارت سے دیکھنا عوام میں غیض و غضب کا باعث بنا۔ اس طرح انگریزوں کے خلاف ہندوستانیوں کا باغیانہ رویہ بھی انگریزوں کے رویے کی وجہ سے ہے۔ "ابن الوقت" کے مطابق انگریزوں کی مخصوص مشنری اور پادریوں کا گلی گلی وعظ کرنا، مذہبی کتب تقسیم کرنا اور ہندوستانیوں کو عیسائیت کی طرف راغب کرنا ہندوستانیوں کے دل میں انگریزوں کے خلاف نفرت کو فروغ دینے لگتا ہے۔ اس طرح انگریزوں کا ہندوستان آنا اور یہاں سے ساری دولت سمیٹ کر لے جانے سے ان کو جو فائدہ ہوا ہے اس نے تو ہندوستان کی چولیں ہلا دی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"ہندوستانیوں کی قسمت میں جو سیانک گورنمنٹ سدا سے تھی؟ اب بھی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے اپنی گورنمنٹ تھی اب اس پر اجنبی مسلط ہے۔"(۵)

ایک اور ناول "اصلاح النسا" میں بھی بیانیے کی کش مکش کا امتزاج ملتا ہے۔ اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ہندوستانیوں کی تہذیب عروج پر تھی اور ثقافتی طور پر بہت خوش حال تھے۔ اس رونق اور گہما گہمی میں جمالیاتی احساس موجود تھا۔ بسم اللہ کی ماں جو رسوم کی دل دادہ ہے اس کے گھر میں شادی ک تقریب کے حوالے سے مصنفہ نے پچاس صفحوں پر محیط مکمل تفصیل لکھ دی ہے۔ اس طرح امتیاز زاہد بٹ کے گھرانے کی وجہ سے شرعی شادی حیثیت کے لحاظ سب کو کھانا کھلا دیا۔ اس حوالے سے یہ جملے ملاحظہ ہوں:

"جب ان کے گھر شادی کے واقعات کا ذکر ہوتا ہے، تو بیان ایک جملے میں نبٹ جاتا ہے۔ "جب کھانے کا وقت ہوا سلیقے کے ساتھ سب کو کھانا کھلا دیا۔" اس سلیقے کو بیان کرنے کا موضوع نہیں آیا۔ بس ایک لفظ کے اندر وہ انتظام و انصرام سما گیا ہے۔ اختصار اپنی جگہ اس سلیقے کے پھیکے پن کو نمایاں کر رہا ہے۔"(۶)

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

ان رسومات کی وجہ سے ہندوستان کی ثقافتی زندگی کے بیش تر خوب صورت مرقعے ہمارے سامنے آتے ہیں۔اس ناول کی تخلیق کا یہ فائدہ ہے کہ ان رسومات کو نسائی نقطہ نظر سے لکھا گیا ہے اور ان کی پوری جزئیات کو بیان کیا گیا ہے۔

پنڈت رتن ناتھ سرشار کے ناولوں میں بھی لکھنو کے مختلف طبقں اور پیشوں سے متعلق کرداروں کی ریل پیل اور حقیقی کردار نگاری کے حوالے سے مختلف اسالیب، لفظیات اور عادات کو بیان کرنے کا کمال ان ہی کا ہے۔ناول "سیر کہسار" میں چند ضعیف خواتین گزشتہ لکھنو کی بربادی اور اس کے پرانے وقتوں پر نوحہ کناں ہے۔وہ ایک دوسرے کے ساتھ یوں باتیں کرتی ہیں:

"اب وہ برکت کہاں جو پہلے تھی۔ اب تو دن بدن مہنگائی ہوتی جارہی ہے۔پانی کھاری ہوتا جاتا ہے۔اب آئے دن ہیضہ، کال، بہیا، سوکھا؟ اناج مہنگا، گھی سوا روپے کلو، ترکاری کو آگ لگی ہوئی۔اس نئے نظام میں لوگ "پرورش" تک کو ترس گئے ہیں۔ساتھ چوریاں کتنی ہونے لگی ہیں۔ اور تیسر محلے تھانے اور چوکیاں ہیں تب ایک امتیاز بیگ اور شہر بھر کا انتظام ہو جاتا تھا۔ آگے کہیں سنتے تھے چیچک کی بیماری میں سینکڑوں بچے مر گئے۔"(۷)

نیا نظام ہندوستان کے لیے بھول بھلیوں کی حیثیت رکھتا تھا۔ تفتیش اور عدالتی کاروائیاں چکرا دیتی تھیں۔عدالتی نظام کے حوالے سے یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

"اب تو پوچھتے ہیں کوئی گواہ ہے چوری کرتے کس نے دیکھا، گواہ لاؤ۔اب بتاؤ گواہ کہاں سے لائیں۔ چور چوری کرنے آئے کہ محلے والوں کی گواہی لائے۔اب جس بے چارے کے ہاں چور پکڑا جائے۔وہ گواہ کہاں سے لائے کہ انھوں نے چوری کرتے دیکھا تھا اور چوری کی چوری ہو اور مہینوں کی دوڑ دھوپ الگ۔ آج نخاس جا کے گڈری بازار دیکھو، کل تھانے پر جاؤ، پرسوں چوکی پر جاؤ، بندھے بندھے پھرو۔"(۸)

اس عدالتی نظام کے حوالے سے انیسویں صدی کے اکثر ناولوں میں بیان ملتا ہے۔اس سلسلے میں منشی سجاد حسین کے ناول "حاجی بغلول" میں بھی اس کی بھول بھلیوں کا بھرپور حوالہ ملتا ہے کہ کس طرح سے یہ مسائل انسان کو تھکا دیتے ہیں۔ان کے ایک اور ناول "طرح دار لونڈی" میں بھی پولیس اور عدالتی نظام کے حوالے سے عجیب صورتِ حال کا سامنا ہوتا ہے۔افسر الدولہ کے گھر چوری ہونے پر پولیس آتی ہے تو وہ بیگم سے سوال کرتی ہے کہ سامان کی فہرست بتادیں جس پر افسر الدولہ کی بیگم ان سوالات پر آگ بگولہ ہو جاتی ہے کہ جس کے گھر میں چوری ہوتی ہے اسے کیسے یاد ہو گا کہ کون سا سامان کہاں رکھا تھا جو چوری ہوا ہے۔ کہ "چیزیں اپنی کھوؤ اور یاد رکھو" اس طرح جب حوالدار پوچھتا ہے کہ کیا آپ کو کسی پر شک ہے؟ تو وہ کہتی ہیں:

"لو گویہ کیسا تھانے دار ہے۔ارے ہمیں سے اُلٹا پوچھتا ہے۔ کہو ہم کو معلوم ہوتا تو تم تک بات کیوں لے جاتے۔ہم آپ کیا کم تھے۔"(۹)

اس ناول کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ پولیس کے نظام میں بہت سی خرابیاں ہوتی ہیں کیوں کہ وہ استعماری دور کے حکم کے نفاذ کی بنیادوں پر کی گئی ہے۔ پولیس کے پاس جو وسیع اختیارات ہوتے ہیں وہ ان کا ناجائز استعمال کر کے چور کے بجائے الٹا مالک کو تنگ کرتے ہیں۔ناول "کامنی" میں بھی پولیس اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کرتی ہے۔جب رنبیر سنگھ کی موت کی خبر آتی ہے اور کامنی ایک الگ مکان میں رہنے لگتی ہے۔ایک پولیس انسپکٹر اچانک آکر اُسے اپنے اختیارات کے حوالے سے بات کرتے ہوئے شادی کی پیش کش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے پاس سو طریقے اور اختیارات ہیں۔ جس کے جواب میں کامنی انکار کرتی ہے۔ پھر وہ اسے مختلف طریقوں سے دق کرتا ہے۔ آوازیں کستا ہے۔شعر پڑھتا ہے اور دھمکیاں دینے لگتا ہے۔وہ کہتا ہے:

"میں پھاٹک توڑ کر تحقیقات کرنے آسکتا ہوں۔پولیس انسپکٹر بڑی چیز ہے۔"(۱۰)

منشی سجاد حسین کے ناول "طرح دار لونڈی" میں پولیس کو غیر قانونی سرگرمیوں میں لوٹ مار کرتا دکھایا گیا ہے۔لوگوں کو ڈرا دھمکا کر ان سے پیسے بٹور رہا ہے۔ پھر تحقیقات بھی نہ ہونے کے برابر ہیں۔نہ مجرم پکڑا جاتا ہے نہ ہی تفتیش ہوتی ہے اور معاملات اتنے پیچیدہ ہو جاتے ہیں کہ لوگ رپورٹ درج کرنے سے بھی ڈرتے ہیں۔ سرشار کے ناول "جام سرشار" میں بھی یہی حالات دکھائے گئے ہیں۔پولیس تو ہوتی ہی بدعنوان اور رشوت خور ہے۔اس ناول میں کڑوں کی ایک جوڑی چوری ہوتی ہے۔ کڑے چور اُسے بازار میں بروخت کرنے پہنچ جاتا ہے جہاں بیٹھے لوگ ان کڑوں کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہ تو فلاں صاحب کے ہیں۔یوں اس صاحب کو اطلاع دی جاتی ہے۔ معاملہ تھانے تک پہنچ جاتا ہے۔ چور کے حوالے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ فلاں سیٹھ کا رشتہ دار ہے اور وہ سیٹھ تھانے پہنچ کر پولیس سے مک مکا کرتا ہے مگر مالک بضد ہے تو ان کا معاملہ چھ سو روپے پر طے ہو جاتا ہے۔چور تاوان تو دے دیتا ہے مگر پولیس والے مالک سے بھی سو روپے رشوت لے کر ہی معاملہ ختم کر دیتے ہیں۔ وگرنہ

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

وہ تو ان کو چھوڑ ہی نہیں رہے تھے۔ سرشار کے ناول "فسانہ آزاد" میں بھی نئے آلات، مشینوں اور ٹیکنالوجی کے آنے سے قدیم پیشوں کو لگنے والے دھچکے پر افسوس کا اظہار کیا جارہا ہوتا ہے۔ اس طرح اس ناول میں ثقافت کے لٹ جانے پر عجیب طرح کی یاسیت کا اظہار کیا جارہا ہے۔

مجموعی طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ انیسویں صدی کے زیادہ تر ناولوں میں ناول نگاروں کا متذبذب مزاحمتی رویہ ہمیں یہ باور کراتا ہے کہ سامراجی نظام کے حوالے سے اگر یہ کھل کر مزاحمت کرتے تو شاید بہتر نتائج سامنے آتے۔

حوالہ جات

۱۔ نئیر مسعود، لکھنو کا عروج وزوال، مطبوعہ آج لکھنو، شمارہ ۶۲، (۱۹۸۸ء) ص ۳۰۷

۲۔ عبدالحلیم شرر، فلورا فلورنڈا، مکتبہ القریش لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۲۰۷

۳۔ ڈاکٹر محمد نعیم ورک، اردو ناول اور استعماریت، کتاب محل، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۷۰

۴۔ منشی احمد حسین، جواں مردی، خادم التعلیم، لاہور، ۱۹۰۰ء، ص ۶۶

۵۔ ڈپٹی نذیر احمد، ابن الوقت، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۱۱۷

۶۔ رشیدۃ النساء، اصلاح النساء، روشن خیال، کراچی، ۲۰۰۰ء، ص ۱۱۱

۷۔ رتن ناتھ سرشار، سیر کہسار، (جلد دوم) سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۲ء، ص ۲۱۹

۸۔ ایضا"، ص ۱۴

۹۔ منشی سجاد حسین، طرحدار لونڈی، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۵ء، ص ۸۰

۱۰۔ ایضا"